

جناب مولانا محمد اشرف صاحب اہم۔ اے
شعبہ عربی پشاور یونیورسٹی

سیاست و تعمیر ملت

حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ کے افکار کی روشنی میں

عزیز گرامی جناب مولانا سمیع الحق صاحب کے تقاضے پر فقیر کی زیر ترتیب کتاب
"سلوک سلیمانی" کی ایک فصل مدیہ ناظرین کی جارہی ہے۔ حضرت سلیمان ندوی
نور اللہ مرقدہ کا سیاسی نظریہ تعمیر ملت کے متعلق کچھ افکار پرانے سطو سے
غالباً کچھ روشنی پڑ سکے گی۔ قارئین کو اگر کچھ تشنگی نظر آئے تو اسے بیچان کی
کم سودی پر محمول فرمائیں۔ "محمد اشرف"

سیاست ایک دھوپ پھاؤں ہے۔ وہ دم بدم بقلموں کی طرح رنگ بدلتی ہے۔ کہ ہر زمانہ
کے خیالات یکساں نہیں ہوتے۔ حالات و ظروف بدلتے رہتے ہیں۔ حسن و قبح کے انسانی معیار میں تغیر
آتا ہے۔ جو کل حق نظر آ رہا تھا۔ وہ آج باطل دکھائی دیتا ہے۔ اور جو آج غلط ہے۔ وہ کل صحیح معلوم ہوتا
ہے۔ انسانی علم کی کوتاہی و نارسائی، مستقبل و مغمیات سے ناآشنائی، حصول جاہ و اقتدار اور مال و
دولت کی حرص آدے مل کر ہر روز نئے نئے سیاسی نظریات کو وجود بخشی ہے۔ یں و نہاد کی ہر گردش
کے ساتھ سیاسی افکار و خیالات، نظریات و طرق میں تغیر و تبدل اور آثار چڑھاؤ جاری رہتا ہے۔
اہل سیاست اپنے مزعومہ فکری و سیاسی نظاموں کی کامیابی اور حصول قوت و اقتدار کے لئے
ہر قسم کی جدوجہد میں مشغول رہتے ہیں۔ اور اس کام کے لئے ہر قسم کے اسباب و وسائل بروئے کار
لاتے ہیں۔ غرض اس تماشہ گاہ عالم میں سیاست کی رنگارنگی ہر روز ایک نیا منظر پیش کرتی ہے۔
اور زمانہ کے ہر موڑ کے ساتھ سیاست بھی اپنا رخ بدلتی ہے۔ اس کے مقابلے میں دین جو حق مطلق
اور صداقت دائمی ہے۔ وہ ناقابل تغیر ہے۔

اس لئے اہل دین کے لئے ہر تغیر پذیر سیاسی نظریہ کی پرکھ کا معیار دین کے غیر متغیر حقائق ہیں۔ اور سیاسی فکر و نظریہ اور اس کے طریق کار کے حسن و قبح کی کسوٹی دین کی غیر متبدل حقیقت ہے۔ ظاہر ہے کہ نہ ہر نظریہ فکر دین کے معیار پر کامل اُتر سکتا ہے۔ اور نہ ہر سیاسی نظام دین کہلایا جاسکتا ہے۔ نہ ہر غلبہ و تقویٰ کی کوشش کو ”اسلامی ریاست“ کہا جاسکتا ہے۔ اس بنا پر اہل دین و سالکین کے لئے ہر قسم کی سیاسی تنگ و دو، کوشش و جستجو میں شرکت و اشتغال بغیر اسکی حقیقت و مال کو جاننے کے ممکن نہیں۔ گو اسلام کی جامعیت اور ہمہ گیری نے سیاست کو ”شجرہ ممنوعہ“ قرار نہیں دیا۔ اور نہ ہی عیسائیوں کی طرح ”قیصر و خدا“ کی دو علیحدہ علیحدہ مملکتوں میں تقسیم کیا ہے۔ اور نہ ہی ”سیاست“ اسلامی حیطہ عمل اور دائرہ سلوک سے خارج ہے، تاہم خالص ”اسلامی سیاست“ کا ”شجرہ طیبہ“ اپنی ہی زمین میں بیگ و بار لاتا ہے۔ اور اسلامی دعوت کی ہمہ گیری اسے پروان چڑھاتی ہے۔ حضرت سید الملت قدس سرہ کا ارشاد ہے :

”اسلامی سیاست دعوت کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ دعوت میں سیاست خود بخود آجاتی ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فائیس کے وزیر اور سیاسی قوتیں جمع نہیں کیں۔ نہ یہ کہا کہ اوّل کو حکومت کریں۔ صرف کلمہ کی طرف لوگوں کو بلایا۔ دین کی دعوت دی، سیاست دین میں خود بخود لگئی، گو اسلام میں سیاست اور دعوت علیحدہ نہیں ہیں۔ لیکن سیاست کے منافع اور مضر سے دعوت پر بھی اثر پڑتا ہے۔“

ایک دوسری جگہ ارقام فرماتے ہیں :

یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے۔ مگر حقیقت ہے۔ کہ اسلامی دعوت کی وسعت و انسانی زندگی کے ہر گوشہ تک وسیع ہوتی۔ وہ گھٹتے گھٹتے صرف چند عبادات تک محدود ہو کر رہ گئی بنی امیہ نے اپنے عمل سے سیاست کو دین سے خارج کر دیا۔ اور عباسیہ تہذیب و تمدن و آداب کو بھی دین کی ہمہ گیری سے الگ کر لیا۔ اس کے بعد ایرانی و ترکی و تاتاری سلاطین نے قرآن کے ساتھ آئین نوشیروانی اور تورہ چنگیزی کا اضافہ کیا۔ وہ دین تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رکھتے تھے۔ مگر ان کی سیاست اور خراج و باج کے آئین قیصر و کسریٰ اور چنگیز و ہلاکو کے دستور و قواعد پر مبنی تھے۔ اس لئے ہماری یہ پچھلی سلطنتیں مسلمانوں کی تو ضرور تھیں۔ مگر اسلام کی نہ تھیں۔ یعنی ان کے فرمانروا مسلمان تھے۔ مگر ان کی حکومت کا قانون اسلامی نہ تھا۔ جس طرح آج انگریزی عہد میں ”محمدن لا“ جاری ہونے سے کوئی سلطنت اسلامی نہیں پر سکتی تھی۔ تو کل صرف

نکاح و طلاق و وقف وغیرہ کے ابراء سے سلطنت اسلامی نہیں ہو سکتی۔ الایہ کہ اس کے استعمال میں ہم ایک نوع کا مجاز و تساہل برتتے ہیں۔

یہ کہنا صحیح نہیں کہ مسلمانوں نے اس اسلامی حقیقت کی تبدیلی کو آسانی سے مان لیا۔ جنگ جمل، جنگ صفین، حضرت عبداللہ بن زبیر اور حجاج کی لڑائی، معرکہ کربلا، واقعہ حرہ، جس میں اہل مدینہ نے بنو امیہ کے خلاف لڑائی لڑی، واقعہ قراء جس میں علمائے عراق نے بنو امیہ کے خلاف معرکہ لڑائی کی۔ واقعہ نفس زکیہ جس میں سادات و علمائے حجاز نے مل کر عباسیہ کے خلاف پرزور بغاوت کی۔ یہ اور اس کے سوا دوسرے واقعات نے جن میں اصلاح و انقلاب کے علمبرداروں کو کامیابی نہیں ہوئی۔ خونریزی اور فتنوں کا دروازہ کھول دیا۔ اس لئے پچھلے متکلمین اور فقہاء نے یہ اصول بنالیا کہ ہر اصلاح طلبی میں یہ دیکھنا چاہئے کہ فتنوں کے لئے نئے دروازے تو نہیں کھلتے۔ اور حالات بد سے بدتر تو نہیں ہو جائیں گے۔

ان اصلاح طلبوں اور انقلابیوں کی ناکامی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ انقلاب سے پہلے انہوں نے انقلاب کی دعوت کا دور اپنے اوپر نہیں گزارا۔ اور زمین میں ہل چلانے سے پہلے زمین میں تخم ریزی شروع نہ کی۔ آخر اسی زمانہ میں ابومسلم خراسانی کی تحریک جس سے عباسیہ حکومت کا آغاز ہوا۔ اور اسماعیلیوں کی تحریک جس سے دولت فاطمیہ پیدا ہوئی۔ اور محمد بن، تومت کی تحریک جس سے موہدین مراکش کی سلطنت قائم ہوئی۔ کس طرح دعوت کی راہ سے بڑھی اور پھنی اور پھولی اور مدتوں قائم رہی۔

زمانہ کے انقلابات نے آج بہت سے امکانات پیدا کر دیے ہیں۔ ہر جگہ شخصی سلطنتوں کے تحت خالی ہو گئے۔ دستوری اور جمہوری اور دعوائی سلطنتوں کے آئین پر حکومتیں قائم ہو رہی ہیں۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ اسلامی اصول سلطنت پر کوئی سلطنت قائم کیوں نہیں ہو سکتی۔“

(معارف اعظم گڑھ ص ۲۵۱ ج ۴۰ قرعہ)

اس طویل اقتباس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام میں سیاست دین سے علیحدہ نہیں۔ لیکن اس کے وجود میں آنے اور اسے بروئے کار لانے کے لئے دعوت اور صحیح ذہنی و فکری تربیت کی ضرورت ہے۔ جس کے بغیر کسی سیاسی تحریک میں حصہ لینا پوری طرح خوش آئند نہیں ہو سکتا۔ اس لئے حضرت والا رحمۃ اللہ تعالیٰ ہر سیاسی انقلاب سے پہلے مسلمانوں کی صحیح دینی تربیت کو ضروری سمجھتے تھے۔

ارتقام فرماتے ہیں :

”جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے پیش نظر سیاسی انقلاب خواہ کتنا ہی خوش آئند ہو۔ اُن کے اعلیٰ معیار نظر نہیں بن سکتا۔ ان کا اصلی مقصد حیات تو اشخاص کا عروج و زوال، پارٹیوں کی شکست و ریخت، وزراء توں کا عزل و نصب اور زمینوں کا رد و بدل نہیں بلکہ عقائد و اصول کی تصحیح، مقصد حیات کی تعیین اور مسائل زندگی میں اسلامی نظام کی سچی تقلید اور پیروی ہے۔ اور اسکی برقراری کے لئے دلوں سچی تڑپ اور ناقابلِ سکون اضطراب، غرض ہم کو نئے سرے سے ایک نئی عمارت کا کام کرنا ہے۔

بھلا اللہ کہ مسلمان نہ بھولوں میں اس حقیقت کا ادراک ہو رہا ہے۔ اور یہ آواز پہلے کی طرح اب تانائوس نہیں رہی ہے — کہ رجوع الی الاسلام، یعنی زندگی کے ہر اصول میں اسلام کی طرف بازگشت ہی ہر بیماری کا علاج ہے۔

اس لئے حکومت کا خواب دیکھنے والوں کو پہلے اسلام کا خواب دیکھنا چاہئے کہ اسلام کیا ہے۔ اس کا نظام کیا ہے۔ اس کے احکام کیا ہیں۔ اور اس کے مطالبات ہمارے افراد کی زندگی سے، یا نہیں۔ اگر نہیں ہے۔ تو ہمارے اندر وہ انقلاب کیسے پیدا ہو جو ہم کو ترکستان کی راہ سے ہٹا کر حجاز کی طرف لے جائے۔ جو ہم کو یورپ کی نقالی کی بجائے خود اپنی اصلیتِ معقودہ کی تصویر ہم کو دکھا دے۔ تاکہ ہم خلافتِ معقودہ کے مستحق ٹھہریں۔

جب تک ہمارا مقصد صرف اعلیٰ کلمۃ اللہ اور اقامتِ دین نہ ہوگا۔ اور اسی کے لئے دھٹکنا اور مننا اور مننا اور جینا نہ ہوگا۔ ہم اسی طرح ممبریوں اور وزارتوں اور لیڈروں کے لئے آپس میں لڑتے، مرتے اور کٹتے رہیں گے۔ کیونکہ ہم نے اپنا مقصد و انہیں شخصی اعزازات اور اسی جاہ و منصب کے حصول کو بنا رکھا ہے۔ اور اسی کا نام ہم نے اسلامی ترقی رکھ چھوڑا ہے۔

ضرورت ہے کہ عقائد و عبادات کے ساتھ اسلامی سیاسیات، اسلامی اقتصادیات، اسلامی طریق تجارت، اسلامی اصول مضاربت یعنی (سرمایہ اور مزدوری کے طریق تعاون) اسلامی طریق کاشتکاری، اسلامی طریق کارخانہ داری، کسانوں اور مزدوروں کے اسلامی حقوق، اسلامی لین دین اور معاملات کے مسائل اور دیگر تمام ضروری امور زندگی کے متعلق خالص اسلامی حل لوگوں کے سامنے رکھا جائے۔ اور اس کے قبول و عمل کی دعوت دی جائے۔

جس سے اسلام کا نشاۃ ثانیہ ہو اور مسلمان مسلمان بن کر دنیا میں ظاہر ہوں۔

(معارف ص ۲۵۳، ۲۵۴)

سیاسی سطحی و قطعی ہنگامہ آرائیوں سے بچا کر ملت کی صحیح تعمیر کی دعوت دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :

”جماعت کی تعمیر صرف جذبات، بوش و نفروش اور ہنگاموں سے نہیں ہوتی۔ بلکہ کسی مقصد کے ساتھ عشق کی سی وابستگی اور اس کے حصول کی راہ میں جان و مال و عزت ہر چیز کی قربانی کا حوصلہ ہونا چاہئے۔ اور اس راہ میں موانع کی ہوشیاری پیش آئیں۔ ان کے ازالہ اور برداشت میں صبر و ضبط اور عزیمت و استقلال اور حصول مقصد کے بعد اس حاصل شدہ مقصد کی بقا کے لئے اخلاق کی بلندی، عیش و آرام کی زندگی سے پرہیز، مال و دولت اور جاہ و عزت کی حرص و محبت سے آزادی، مختلف عناصر کے مختلف افراد کے ساتھ عدل و انصاف کا معاملہ اور مقصد کی بقا کو ہر ذاتی متعنت اور ہر شخصی فائدہ مندی سے برتر جاننا اور رکھنا اور اسی کے لئے جینا اور اسی کے لئے مرنا، جب تک کسی جماعت کے افراد میں اکثریت اور اقلیت کے ساتھ یہ اوصاف پیدا نہ ہوں گے۔ اول تو کوئی جماعتی مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور دوسری بات یہ کہ وہ باقی نہیں رہ سکتا۔

اب ہم کو دیکھنا ہے کہ آیا ہماری اس وقت کی جماعتوں میں یہ اوصاف پیدا ہیں۔ یا نہیں۔ اگر نہیں ہیں۔ تو پیدا کرنے چاہئیں۔ اگر ہیں تو ان میں مزید ترقی اور پختگی کی فکر کرنی چاہئے۔ اور ہمارے رہنماؤں کو چاہئے کہ وہ اپنی مختلف تحریکوں اور تعلیموں میں ان اصولوں کی تعلیم کے سبق دیا کریں۔ جماعتیں بھی بچوں ہی کی خاصیتیں رکھتی ہیں۔ اور ان کی تعلیم و تربیت کے اصول بھی انہی جیسے ہیں۔

اسلام میں بدر کا معرکہ جو ۳۱۳ مسلمانوں کا کارنامہ ہے۔ ہر وقت پیا لیا جاسکتا تھا، مگر بدر کے وقوع کے لئے تیرہ برس کے انتظار کی ضرورت پیش آئی۔ اور جب تک ٹھوک بھار اور آزمائشوں کی آگ میں تپا کر ان کو دیکھ نہیں لیا گیا۔ ان کو معرکوں میں نہیں لیا گیا۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ جماعتوں کی تعمیر صرف ہند اور ہڈ اور سب و شتم اور طعن و طنز اور شور و غل اور مختلف نعروں کے شعر پڑھنے اور چیخنے سے نہیں ہوتی۔ بلکہ مقصد کی بلندی، مقصد سے عشق و وابستگی، اس کے حصول و بقا کے لئے اعلیٰ اخلاق، پختہ سیرت اور ضبط و کٹر

پیدا کرنا ضروری ہے۔ تاریخ میں اس کی بکثرت مثالیں ہیں۔ کہ جماعت نے اپنے وحشیانہ جوش اور شجاعت سے کسی مقصد کو حاصل کر لیا، لیکن چونکہ اس کی بقاد کے لئے جو اخلاق اور کرکٹ چاہئے۔ اُن کے نہ ہونے سے وہ مقصد اُن کے ہاتھوں سے بہت جلد کھو گیا، ابھی ہندوستان کی تاریخ میں اودھ کی سلطنت، روہیلوں کی ریاست، سکھوں کی شاہی اور مرہٹوں کی پیشوائی میں عبرت کی داستانیں چھپی ہیں۔“ (معارف ص ۱۶۲، ۱۶۳، جلد ۵، نمبر ۳)

۱۹۴۵ء کے تاریخی الیکشن کے موقع پر مسلمانان ہند کو تلقین فرماتے ہیں :

”آج کل مسلمانوں میں الیکشن کا بحران ہے۔ اس بحران میں جس طرح نامحقوق طریقوں سے لوگ اپنی قوت کا اظہار کر رہے ہیں۔ وہ حد درجہ نامناسب ہے۔ انتہایہ ہے۔ کہ اس سلسلہ میں سب و شتم، لعن و طعن اور زد و کوب سے بھی پرہیز نہیں کیا جا رہا ہے۔ یہ طریق عمل استدلال کی قوت ظاہر کرنے کی بجائے اس کی کمزوری کو ظاہر کرتا ہے۔ مذہب اور دین کی حمایت کا نام لیکر عوام کو جوش دلانا اور اس سے اپنا کام نکالنا غلط رہنمائی ہے جس سے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچے گا۔ ضرورت اس کی ہے کہ مسلمانوں کو ضبط، صبر، ڈسپلین، تنظیم، استقامت، تحمل، برداشت، ایثار، باہمی ہمدردی، عملی وحدت اور اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دی جائے۔ جو سیاست کی جنگ کے سب سے کارگر ہتھیار ہیں۔ صرف زبانی جوش و خروش، گرم گرم جھپٹی اور اخباری بحث اور براہ راست دست و گریباں ہونا قوم کی طاقت نہیں۔ ہماری بحثوں کا موضوع مسائل کا صواب و خطا ہونا چاہئے۔ نہ کہ اشخاص کے محاسن و مصائب کا اظہار۔“

(معارف ص ۲۶۶، ج ۵۶، نمبر ۳)

ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں :

”قومیں کاغذوں اور مسودوں سے نہیں بنتیں، وہ دلوں کے بدلنے اور ذہنیات کی اصلاح اور تعلیم و تربیت سے بن سکتی ہیں۔“

ایک دوسرے گرامی نامہ میں ارشاد فرماتے ہیں :

”ضرورت دل و دماغ کے انقلاب کی ہے۔ جو صحیح دعوت فکری سے ہو سکتی ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی سے ظاہر ہے۔ اس کے لئے شور و غل اور دعوت جنگ و بزدلی کا راہ غلط ہے۔ ہمارے علماء جدید ذرائع و وسائل کار سے ناواقف ہیں۔ جوش سے کام لیتے ہیں۔ جوش سے نہیں۔ جہاد بالسیف سے زیادہ ضروری کام (ان حالات میں) جہاد بالقلم ہے۔“

مفید نہیں۔ دونوں کا انقلاب غیظ و غضب، جوش و خروش اور جذبہ انتقام اور استیصال سے نہیں پیدا ہوتا۔“

ملت کی تعمیر میں تعلیم کی جواہریت ہے۔ اس کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں :

”ہم نے پہلے بھی کہا ہے۔ اور اب پھر کہتے ہیں۔ کہ مسلمان وقت سے پہلے طوفان کا اندازہ کر لیں۔ اور یہ سمجھ لیں۔ کہ ان کو ایسی تعلیم درکار ہے۔ جس سے مسلمان مسلمان بھی باقی رہیں اور اس راہ میں جو غفلت سرکاری مدارس کے پہلے دور میں اُن سے ہو چکی ہے، وہ اس آئے والے دور میں نہ ہو۔ تعلیم کی اہمیت بہت بڑی ہے۔ یہی وہ سانچہ ہے جس میں ملت کے نوجوان افراد دھل کر نکلتے ہیں۔ ان کی ذہنی تربیت، اخلاقی نشو و نما، دماغی استعداد اور قلبی قوت یقین، یعنی ساری ذہنیت اسی کے ذریعہ بنائی اور لگاڑی جاسکتی ہے۔ اُمت کو جیسے افراد کی ضرورت ہے۔ وہ اُسی کے ذریعے تیار ہوتے ہیں۔ اور ہر سکھتے ہیں۔ خوب سمجھتے کہ ہندوئیت کی طرح اسلامیت کوئی قومیت یا وطنیت نہیں ہے۔ بلکہ وہ ذہنی یقین اور اعمال و اخلاق کے ایک خاص طریق کا نام ہے جس کی بقاء تعلیم و تربیت کے سوا اور کسی ذریعہ سے ممکن ہی نہیں۔ اس کی بقاء کے لئے تعلیم و تربیت کے ایک خاص نظام کی ضرورت ہے۔ جو مسلمانوں کے مسلمان رہنے اور بننے میں مدد دے۔“

قیام پاکستان کے بعد علامہ محمد یوسف صاحب البتوری کو بھوپال سے ایک خط میں لکھتے ہیں :

”معلوم نہیں جہاں آپ ہیں۔ (یعنی پاکستان میں) کیا صورت حال ہے۔ کیا معنوی صورتیں مسلمانوں میں ابھر رہی ہیں۔ یا صرف شور و غل اور ریا و نمائش ہے۔ یہ وقت جوش و خروش کا نہیں جوش کا ہے۔ مسلمانوں کو اِنَّ الْاَرْضَ يَرْثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ کے مطابق صالح بننا چاہئے۔ اور وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحٰتِ لِيَتَّخِذَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَے مطابق ایمان و عمل صالح میں ترقی کرنی چاہئے۔ اس وقت مسلمانوں میں نظم و ضبط، ثبات قدمی، اطاعت امر اور جدوجہد و سعی و محنت، ایثار و اخلاق پیدا کرنے اور حسبِ حال حسبِ جاہ اور حسبِ نفس کے خباثت کو اندر اندر سے نکلانے کی ضرورت ہے۔ کاش میری یہ آواز مسلمانوں تک پہنچ سکتی۔“

اسی خط میں ۱۹۷۷ء کے نو چمکھان ہنگاموں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں :

”ادماست کہ بریاست“ مسلمانوں پر جو کچھ ہال ہے۔ وہ اُن کے اعمال کی سزا ہے۔ کاش

اب بھی قلوب میں انابت ہو۔ اور مسلمان سمجھیں کہ ان کا مقصد اول اقامتِ دین اور اعلیٰ کلمۃ اللہ ہے۔ خواہ وہ تختِ سلطنت پر ہو یا بوریا ئے فقیر پر، ان کو شیطان سے اس لئے خاصیت نہیں کہ یہ شیطان کا تخت زمین پر کیوں بچھا ہے۔ بلکہ اس لئے یہ خاصیت ہے کہ اس تختِ شیطان پر شیطان کیوں بیٹھا ہے، وہ کیوں نہیں بیٹھے ہیں۔“

مندرجہ بالا مباحث سے یہ حقیقت واضح ہو گئی ہوگی کہ حضرت والا قدس سرہ سیاست کی فاعل و ذریعہ عصری ہنگامہ آرائیوں، سطحی شور و غل، اقتدار کی تلک و دو کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ حضرت والا رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اصل کام مسلمان بننا اور بنانا تھا۔ جس کے لئے مسلمانوں کی صحیح اخلاقی و معنوی، مذہبی و دینی تعلیم و تربیت کی اہمیت و اہتمام کو ملت کی تعمیر و بقا کے لئے ضروری سمجھتے تھے۔ اسی اعلیٰ مقصد کی طرف وہ مسلمانوں کی سیاست کے رخ کو بھی پھیرنا چاہتے تھے۔ اور ہر اس سیاست کو غلط سمجھتے تھے۔ جو مسلمانوں کے بنیادی مقاصد و عقائد کو زک پہنچائے۔ مسلمانوں کو وہ ایک بامقصد اور خاص طرزِ حیات و پیام کی حامل اُمت سمجھتے تھے۔ اور اسکی توانائیوں، قوتوں اور استعدادوں کو صرف اقامتِ دین اور اعلیٰ کلمۃ اللہ کے لئے خاص کر دینا چاہتے تھے۔ اسی بناء پر علماء اور اہل فکر طبقہ کا موجودہ عملی دنیاوی سیاست میں کھینٹا الجھ جانا پسند نہیں فرماتے تھے۔ حضرت قدس سرہ کے نزدیک اس طبقہ کو محض قوم کی فکری و ذہنی رہنمائی اور صحیح اسلامی، اخلاقی و روحانی تربیت کرنا چاہئے۔ اور ”عملی سیاست“ کے غارِ زار میں الجھے بغیر ملت کو اسلامی سیاست، شرعی مقاصد، دینی اعمال و کردار کی تلقین و تبلیغ کرتے رہنا چاہئے۔ چنانچہ ایک خط میں اپنے متعلق فرماتے ہیں :

”سیاست کے باب میں ابھی تک عدالتِ گزینی پر قائم ہوں۔ اور اسی میں اپنی فلاح سمجھتا ہوں

اُمت کی خدمت صرف سیاست ہی پر منحصر نہیں۔“

(باقی آئندہ)

دُعائے مغفرت | ریاستِ سوات کے محکمہ قضا کی وساطت سے جنابِ معنی دار صاحب سکھنگورہ کی وفات کی اطلاع موصول ہوئی مرحوم آج کے معاون اور بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ خداوندِ قدوس مرحوم کو دہشتِ عالیہ اور مغفرتِ تامہ اور ان کے پسماندگان کو صبرِ جمیل سے نوازے۔ ادارہ مرحوم کے لواحقین و متعلقین کے اس غم میں شریک ہے۔ (ادارہ)